حسرتوں کے چراغ

نورین علی حق

T-510، شوگر ہاسپٹل، چمیلیان روڈ، باڑہ ہندراؤ، دہلی۔6، موبائل:7011529033

وہ ٹاپ فلور سے بھاگتا ہوا تیسری منزل پر اپنے کمرے میں پہنچا۔ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ کمرہ انسانوں سے خالی تھا۔ سب تاروں بھرے آسمان کے نیچے تھے۔ اس کا ہاتھ سب سے پہلے قد آدم شیشے تک پہنچا اور شیشہ زمین پر گر پڑا۔ اس نے طیش میں زوردار مکا کتابوں کی الماری پر لگے شیشے پر دے مارا، تیزی کے ساتھ شیشے کے گلاس اور پانی کا جگ بھی اپنے وجود کی کرچیاں بکھیر چکے تھے۔ کمپیوٹر ماؤس کو اس نے دیوار پر دے مارا، دونوں ہاتھوں سے مانیٹر کو اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس کے پاٹ پرزے الگ ہو گئے اور شیشوں کی کرچیوں پر پیر پٹختا رہا۔ کمرہ میدان جنگ بن چکا تھا۔ سامان تزئین کی رونق کھو چکے تھے۔ بستر کو بھی نوچ کھسوٹ کر اس نے ادھر ادھر اچھال دیا۔ کرسیاں الٹی پڑی تھیں، میزیں پیر سے معذور ہو چکی تھیں۔ جب اس کے پیر زخمی ہو گئے اور ٹیسیں اٹھنی شروع ہوئیں تو وہ زمین پر بے سدھ گر پڑا۔ پیروں سے خون رس رہا تھا۔ چہرہ آنسوؤں سے شرابور تھا، دماغ کی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، پسینہ بہہ رہا تھا، اس کے جسم کی رگیں اینٹھنے لگی تھیں، انگلیاں بے جان لگ رہی تھیں۔

دراصل اس دن بھی بجلی غائب تھی۔ جون کا مہینہ، شدت کی گرمی اور وہ اندھیرے میں اپنے بستر پر پڑا تھا۔ اس کے علاوہ سارے لوگ ٹاپ فلور پر خوش گپیوں میں محو تھے۔ میڈ کے بتانے پر بھیا بھابھی اس کے پاس آئے اور اسے بھی اوپر لے گئے، وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں ان دنوں تاروں بھرے آسمان سے اسے نفرت ہونے لگی تھی۔ تاروں کو دیکھ کر اس کے ذہن پر نفرتوں کی آندھی چلنے لگتی تھی۔ وہ سر جھکائے سب کے سامنے بیٹھا تھا، آسمان روشن تھا۔ پورے چاند کی رات تھی۔ چاند کی صدارت میں ستارے اپنی اپنی کہانیاں سنا رہے تھے۔ چاند جھومتا ہوا ستاروں کو داد سے نواز رہا تھا، پورا ماحول خوش گوار تھا۔ بھابھی اپنے میکے میں گزاری ہوئی چاندنی راتوں کی یادیں دہرا رہی تھیں کہ وہ چت لیٹ کر گھنٹوں تاروں کو دیکھا کرتیں اور اپنی نانی سے کہانیاں سنا کرتی تھیں۔ بھیا بتا رہے تھے کہ دادی ہم بھائیوں، بہنوں کو بچپن میں گرمی کی راتوں میں اسی چھت پر چاند تاروں کی ڈھیر ساری کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ بچے ان کی باتوں میں محو تھے، ان میں سے ایک آدھ رو رہے تھے اور بقیہ غور سے بڑوں کی باتیں سن رہے تھے۔ وقفے وقفے سے تمام لوگ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، مگر اس نے آسمان کو ایک بار بھی نہیں دیکھا، وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے اندر کچھ چل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی اداس پلکیں اٹھا کر محفل میں موجود لوگوں کو دیکھ لیتا پھر بے حس و حرکت ہو جاتا، گویا وہ نہ کسی کو دیکھ رہا ہے، نہ سن رہا ہے، نہ محسوس کر رہا ہے۔

جب وہ ڈی اے وی پبلک اسکول کا پرائمری درجے کا طالب علم تھا تو دادی سے خوب کہانیاں سنا کرتا تھا۔ پہلے تو کہانی سننے اور سنانے کی عادت دادی نے ہی ڈالی تھی۔ اماں اور ابا اکثر کچھ دور پر آپس میں باتیں کرتے رہتے اور وہ اپنے بڑے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ دادی سے چاند ستاروں کی کہانیاں سنا کرتا۔ دادی اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہانیاں سنایا کرتیں۔ وہ اکثر کہانیاں سنتے سنتے سو جاتا اور جب اٹھتا تو یاد کرتا کہ دادی نے کہانی کہاں ختم کی ہے اور آج رات کہانی کہاں سے سننی ہے۔ کبھی کبھی تو کہانی سنتے سنتے اس کی آنکھ لگ جاتی تو دادی ماہر ایڈیٹر کی طرح کہانی کے سین کو کاٹ دیتیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ دادی اسے بڑے پیار سے اپنے سینے سے لگا لیتیں اور کہتیں، اچھا لیٹ جاؤ، سناتی ہوں اور کہانی دوبارہ شروع ہو جاتی۔

''دنیا بہت بڑی ہے چندا ماما بہت دور دور جاتے ہیں۔ تمہاری طرح ان کے نہ جانے کتنے چاہنے والے ہیں۔ وہ کسی سے ناانصافی نہیں کرتے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ چلتے رہتے ہیں۔''

''وہ اپنا سر دادی کی گود سے اٹھا کر کہتا: یہ ستارے نہیں چلتے۔ کسی سے بات نہیں کرتے۔''

''نہیں یہ نہیں چلتے۔''

وہ اپنی نگاہیں اٹھا کر ستاروں کو غور سے دیکھتا۔ لال، پیلے، ہرے، نیلے اور نہ جانے کتنے رنگوں کے ستارے اسے نظر آتے، اس کی حسرتوں کے چراغ روشن ہو جاتے۔ انہیں دیکھتے ہوئے وہ افسردگی کے ساتھ سوچتا۔ ان ڈھیر سارے ستاروں میں کوئی میرا نہیں ہے۔ پھر وہ اس بات پر غور کرتا کہ ان ستاروں میں کسے اپنے لیے منتخب کرے اور کسی ایک ستارے کو اپنے لیے منتخب کر لیتا تو اسے اپنانے کے طریقے سوچنے لگتا۔ دوسری رات بھی وہ پہلی رات والے ستارے کو بڑی محویت سے تلاش کرتا، مگر وہ ستارہ کہیں کھو جاتا، پھر یا تو تمام ستارے اسے اپنے لگنے لگتے یا کوئی ایک اسے اپنا نہیں لگتا۔

کہانی سناتے سناتے دادی تھک ہار کر اپنی قبر سے جا لگیں اور وہ بھی کہانی سننے کی عمر سے آگے نکل گیا، البتہ ایک ستارے کی تلاش اسے باقی تھی۔ چھت پر لیٹا گھنٹوں وہ ستاروں کو دیکھتا اور ان سے باتیں کرتا۔

ایک رات چھت پر اس کے سوا کوئی نہیں تھا، وہ دیر تک لیٹا ستاروں کو ایک ٹک دیکھتا رہا، پھر جانے کیا ہوا، وہ کھڑا ہوا اور ٹہلنے لگا۔ دیر تک ٹہلتے ٹہلتے پھر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ لیلائے شب اپنی زلفیں دراز کر رہی تھی۔ اس کے بدن کا شعلہ بھڑک رہا تھا، خواہشیں سر نکال رہی تھیں۔ اسی بے قراری کے عالم میں ستاروں کی انجمن سے ایک ستارہ اس کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ ہولے ہولے وہ اس کے قریب پہنچ رہا تھا، اس کے وجود میں پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں، اس کی باچھیں کھل اٹھی تھیں، اس نے اپنی آنکھیں موند لیں، جوں ہی ستارے کی قربت اسے محسوس ہوئی اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور خوشی سے جھوم اٹھا۔ ستارے کی قربت، اس کی رنگ برنگی روشنی اور چمکدار لباس میں وہ کھو گیا۔ دنیا جہان کی باتیں کرتا رہا۔ اسے گرویدگی کا احساس ہو چلا تھا۔ وہ سونا چاہتا تھا کہ صبح اٹھ کر اپنے کاموں میں لگے، مگر وہ ایسا نہیں کر سکا، وہ اسے تکتا رہا، بغور نہارتا رہا۔ اس سے باتیں کرتے کرتے وہ آسمان کی سیر بھی کرتا رہا اور خود پر نازاں بھی تھا کہ عرصہ سے جس کی خواہش کو وہ اپنے وجود میں پال رہا تھا وہ لمحہ آ ہی گیا ہے۔

صراحی نما گردن، مخروطی انگلیاں، ہرن کی سی آنکھیں، کتابی چہرہ، کمان نما بھویں وہ اب تک ناولوں اور افسانوں میں پڑھتا رہا تھا گو کہ اس طرح کی لفاظیاں اسے کبھی اچھی نہیں لگی تھیں۔ ان خصوصیات پر غور کرنے کی اس کے پاس فرصت بھی نہیں تھی۔

اسے خود میں تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا، اس کے وجود میں تازہ ہوا کی کوئی کھڑکی کھل گئی تھی۔ ستارے کا لباس بشر میں ملبوس ہونا اسے اچھا لگا، وہ متحیر نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی قربت اسے اچھی لگ رہی تھی، اس کا ہاتھ خود بہ خود ستارے کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا اوپر تک پہنچ گیا، ستارہ معنی خیز انداز میں مسکرایا، اسے لگا اس کا یہ عمل مناسب نہیں ہے، لیکن مجبور تھا۔ اس کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ پورے جسم میں سرسراہٹ تھی۔ اس کے کان کی لویں سرخ ہو رہی تھیں۔

''تم انسانی شکل میں؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔ میرے لیے سب کچھ ممکن ہے۔''

وہ اور بھی بہت کچھ اس سے دریافت کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کے سوا کچھ نہ پوچھ سکا۔ اس کی سانسیں تیز ہوتی جا رہی تھیں، تحیر کے عالم میں اس کی نگاہیں ستارے کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کے ہاتھ ستارہ کے جسم کے لمس کو محسوس کر رہے تھے، لمس کا احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرور چھانے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے بھی آپس میں مل رہے تھے۔ ستارے کے حسن و جمال آنکھوں کی پتلیوں میں محفوظ ہو رہے تھے۔ ستارہ کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں۔

''کیا ہوا نیند آ رہی ہے؟''

''نہیں۔ آج کی رات اور نیند''، خمار آلود لہجے میں اس نے جواب دیا اور دونوں ہاتھوں کے ہالے میں ستارے کو لے لیا اور دیر تک ستارے کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھا، ستارہ اس کے سینے کے اندر جاتا ہوا محسوس ہوا، اسے لگا بس یہی اس کی اصل زندگی ہے، جس کو اس نے پا لیا ہے۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا، وہ آسمانی گھوڑے پر سوار ستارے کو اپنے پیچھے بٹھا کر آسمانی سیر پر نکل گیا۔ زمین پر موجود ساری چیزیں بالکل چھوٹی اور بے وقعت لگنے لگیں۔ جوں جوں وہ اوپر کی جانب بڑھتا رہا زمین سے اس کا رشتہ کٹتا گیا۔ اس نے دیر تک ستارے سے باتیں کیں، اس کی زندگی، اس کے خاندان، اس کے رشتہ داروں اور اس کی پسند کی چیزوں کے بارے میں معلوم کیا اور پھر رات کے تیسرے پہر جسمانی طور پر تھکا ماندہ اور ذہنی طور پر شاداں و فرحاں واپس آ کر وہ اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ حالاں کہ پوری رات اسے نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے آسمانی سفر کی یادوں میں ڈوبا ہوا ستارہ کے حسن و جمال کی داد دیتا رہا، مستقبل کے خواب بنتا رہا، جیسے رات کی خوشیاں دن میں بھی منتقل ہو جائیں گی اور وہ اپنے بہت سے دوستوں کی طرح ستارہ کو ساتھ لے کر بائک پر گھوما کرے گا، پارکوں کے چکر کاٹے گا، مالس میں کافی پیئے گا

اور گھنٹوں اسے دیکھتا رہے گا۔ اپنے دوستوں کو گرل فرینڈ کے ساتھ بائک پر دیکھ کر اس کی حسرتوں کے چراغ روشن ہو جاتے، شاید رشک کا جذبہ بھی اس کے وجود میں آہیں بھرنے لگتا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے وجود میں حسرتوں کے چراغ روشن نہ ہوں؟'' وہ ان باتوں پر بھی غور کرنے لگا تھا۔

''اب کسی دوشیزہ کو دیکھتے ہوئے اس کی کیفیت عجیب وغریب کیوں ہونے لگتی ہے؟ کیا اس سے بچا نہیں جا سکتا؟ اور اگر بچا جا سکتا ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟''

وہ پھر سوچتا ''آخر بچا بھی کیوں جائے؟ اگر اس عمر میں لڑکیوں کو دیکھ کر اس میں حرارت وتوانائی پیدا نہ ہوگی، تو کس عمر میں ہوگی؟''

وہ کسی طرح اس رات کا خاتمہ نہیں چاہتا تھا۔ سوچ کے سمندر میں غوطہ زنی کر کے اپنے دل کی تسلی کے لیے موتی چننا چاہتا تھا اور رات سحر کی طرف سرکتی جا رہی تھی، تیزی کے ساتھ صبح نمودار ہو رہی تھی، پو پھٹ چکی تھی، مؤذن اذان کی صدائیں بلند کر رہا تھا، مرغ بانگ دے رہے تھے، وہ اپنے بستر کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، لیٹا لیٹا نہ جانے کتنی کہانیاں بن چکا تھا اور اس کی کہانیوں کا راوی تھکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

سورج کی شعاعیں اس کے کمرے کی کھڑکی کے شیشے کو چیرتی ہوئی اس تک پہنچیں، تو وہ بستر سے اٹھ گیا۔ اب اسے دن بھر کی بھاگ دوڑ ستانے لگی تھی، حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنے کاموں اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بڑا متحرک رہتا۔ دن کی روشنی اسے لہولہان کرنے لگی، کالج جاؤ، وہاں ایرے غیرے کی شکلیں دیکھو، حسرتوں کے چراغ روشن کرو، وہی بورنگ کلاس، طرح طرح کے غیر متوقع سوالات، امتحانات کی تیاریوں میں مصروف ہو جانے کی نصیحتیں اور اخیر میں لبیک، یس سر، حاضر جناب، جیسے گھسے پٹے فرسودہ جملے اور پھر ابا کے ساتھ دکان میں بیٹھ کر گاہکوں سے تو تو میں میں۔

وہ ہانپتا کانپتا کالج پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں چند کتابیں اور ایک نوٹ بک تھی۔ وہ سر جھکائے سرشاری میں چلا جا رہا تھا۔ وہ خود کو بدلا بدلا سا محسوس کر رہا تھا۔ آنکھیں نیچی تھیں، کچھ سوچ رہا تھا، کئی بار کئی لوگوں سے ٹکرانے سے بچا۔ کئی دوست دور کھڑے مسکرا رہے تھے۔ عام طور پر جب وہ کالج پہنچتا، تو وہ بھی ان میں شامل ہو جاتا اور وہ سب کچھ کرتا، جو گریجویشن کے طلبا کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو دیکھنا، کسی جوڑے کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دینا، اپنی کسی کلاس میٹ سے چھیڑ چھاڑ کرنا اور پھر ہنستے کھلکھلاتے ہوئے اپنی راہ لینا، لیکن اس دن ایسا کچھ بھی کرنے کی اسے خواہش نہیں تھی۔ وہ آنکھیں نیچی کیے چلا جا رہا تھا۔ کئی ساتھیوں نے اسے حیرت سے دیکھا اور آواز بھی دی۔ کئی آوازوں کو اس نے نظر انداز کر دیا۔ چند دوستوں نے اس کے انہماک میں مخل نہ ہونے کی سوچ کر اسے اس کی حالت پر چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔ کلاس روم کے باہر رقیہ کھڑی تھی، اسے وہ اکثر پریشان کرتا۔ اس نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا ''کیا بات ہے؟ بڑے بدلے بدلے نظر آ رہے ہو؟'' اسے بھی اس نے نظر انداز کرنا چاہا، شاید وہ سمجھ چکی تھی۔ اس نے دوبارہ جملہ اچھالا:

''لگتا ہے کوئی آسمانی پری مل گئی ہے، اس لیے ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے؟'' آسمان یعنی دوسری دنیا، پری یعنی دوسری مخلوق اور دونوں ہی زمین پر رہنے بسنے والوں کا خواب ہوتے ہیں۔ آسمان کی بلندیوں کو کون نہیں چھونا چاہتا۔ آسمانوں پر تو ہمیشہ اور ہمہ وقت انسان کمندیں ڈالنے کی تگ ودو کرتا ہے اور اس پر سجے ہوئے رنگ برنگے ستارے۔ ایک بار پھر اس کی توجہ رات پر مرکوز ہو گئی۔ گزری ہوئی رات کی یادیں اس کے وجود میں رینگنے لگیں۔ ستارے کا لمس، دیر تک اس سے باتیں اور آسمانی سیر....

''رقیہ! چاہے تم جتنا خام خیالیاں پالو۔ آسمانوں پر کمندیں تو ہم ہی ڈال سکتے ہیں اور پریاں بھی ہمارا ہی مقدر ہیں۔ یوں بھی تم ان پریوں کا کرو گی کیا؟''

رقیہ بھی جیسے تیار تھی۔ اس نے حملے کو محسوس کر لیا تھا۔ ایک پوری جنس زد پر تھی اور شاید وہ بھی پاکیزہ آنچل اور ہما پڑھتے پڑھتے رقیہ سخاوت حسین تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے فوری اماں حوا، مریم، آمنہ اور نہ جانے کتنی عظیم خواتین کا حوالہ ایک سانس میں دے دیا۔ چاند، مریخ اور دیگر سیاروں پر پہنچنے والی عورتیں بھی اس کی نوک زبان پر تھیں۔ وہ آخری جملہ اپنی زبان سے ادا کر کے اسے بے زبان کر گئی تھی۔

''تم چاہے جتنا اڑ لو، عورت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔ کبھی ماں کی حیثیت سے، کبھی بہن کی حیثیت سے اور کبھی بیوی کی حیثیت سے عورت تمہارا سہارا بنتی رہے گی، تبھی تم ایک مکمل انسان بن سکتے ہو۔''

وہ خجل سا دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ جیسے وہ کہیں کھو گیا ہو۔ اپنے من کی دنیا میں، اپنے تن کی دنیا میں۔ شاید اس سے بھی زیادہ اپنی یادوں کی دنیا میں۔ اس کی زبان خاموش تھی، اس کا دل ان تلخ ترین باتوں کی تصدیق کر رہا تھا۔

کلاس ختم ہونے کے بعد وہ اپنی سرشاری میں اپنی دکان کی طرف

نکل گیا اور پھر وہی نظارہ تھا، دل کو بیٹھا دینے والا، آنکھوں کو اونگھنے پر مجبور کر دینے والا، کسی طرح وہ سخت ترین اوقات بھی نکل گئے اور ایک بار پھر فضا پر اندھیرا چھانے لگا۔ اسٹریٹ لائٹیں جل چکی تھیں، مارکیٹ برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی، آسمان پر چاند روشن تھا، اس کے وجود میں اکتا دینے والا جذباتی انتظار تھا ستاروں کے چمک اٹھنے کا، دل کی کلیاں کھلنے کا۔ وہ دکان سے گھر پہنچتے ہی ٹاپ فلور پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے بعجلت کھانا کھایا اور چھت کی طرف بڑھ گیا۔ چھت پر پہنچتے پہنچتے ستاروں کی چمک اور چاند کی چاندنی اپنے شباب تک پہنچ چکی تھی۔ آسمان کی لامتناہی چادر، ستاروں کی شکل میں قدرتی قمقمے، چاند کی نرم و گداز روشنی اور فرحت بخش فضا نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ رات کا یہ شباب اور سورج کی تمازت اسے بچپن سے ہی ستاتی تھی، لیکن وہ یہ فیصلہ کئے بغیر بھی مطمئن نہیں ہوتا کہ قدرت کا نظام عروج و زوال دنیا کے حق میں ہے اور فطرت انسانی کے لیے بھی ضروری ہے۔ وہ عروج و زوال، غروب و طلوع، افتراق و اتفاق کے فلسفہ میں الجھ گیا، حالاں کہ اس کے لاشعور میں ایک انتظار بھی تھا، جو اسے اپنی گرفت سے آزاد نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں ایک ستارے پر ٹک گئیں، وہی ستارہ جس کے ساتھ گزشتہ رات وہ پہروں کھیلتا اور باتیں کرتا رہا تھا۔ وہ آج اسے اپنی آنکھوں کی پتلی میں نقش کرنا چاہتا تھا۔

ستارہ بالکل اس کے قریب آ گیا تھا۔ وہ گزشتہ رات کی طرح اس کے لمس کو بے قرار نہیں ہوا۔ وہ ذرا پیچھے ہٹا اور اسے گھورنے لگا۔ ستارے نے اسے اپنے قریب بلایا، لیکن وہ خاموش اسے دیکھتا رہا۔ ذرا اور پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی زبان پھسل گئی شاید ''ناگن''

''نہیں میں وہی ستارہ ہوں، جس کی تمنا تم سوتے اور جاگتے کرتے ہو''

اس کے سامنے ایک حسین دوشیزہ تھی۔ رات دن کی تگ و دو کا ماحصل، ابھرے ابھرے دونوں گال، نور میں نہلا دینے والی دو آنکھیں، کھڑی ناک، ہنستا ہوا کتابی چہرہ، صراحی نما گردن، مخروطی انگلیاں، بھرا بھرا جسم، ابھرا ہوا سینہ، قد درمیانہ، پرکشش ادائیں۔

اپنے قدم اس نے آگے بڑھائے، اسے قریب سے دیکھنے کے لیے، اسے گلوگیر کر کے اس میں حلول ہونے اور اسے خود میں تحلیل کرنے کے لیے اور اچانک ہوا کا ایک گرم جھونکا اس کے چہرے سے ہو کر گزر گیا، جسم میں ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔ تا حد نگاہ زمین پر ناگوں اور ناگنوں کا رقص شروع ہو گیا، وہ کبھی بائیں جانب اور کبھی دائیں جانب ہٹنے لگا۔ اپنے پیروں کو کبھی اٹھاتا اور کبھی گرا دیتا۔ ستارہ نے فوراً اسے سہارا دیا۔

''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف میں ہوں، قریب آ جاؤ''

ستارہ نے اسے اتنا قریب کر لیا کہ دونوں کی سانسوں کی آمد و رفت ایک دوسرے کو محسوس ہونے لگی۔ ستارہ نے اپنے وجود کا احساس کرایا، اس کے دل کی کیفیت یقیناً ذرا بدلی، لیکن شک اب بھی باقی تھا۔ اس کے لیے یہ ممکن بھی نہیں تھا کہ وہ ستارہ کو چھوڑ دے، مگر بے یقینی خود کو خاکستر نہیں کرنا چاہتی تھی، قربت کے احساس کے ساتھ بے یقینی ذرہ میں تبدیل ہوتی جاتی اور پھر سانس لینے لگتی۔ ستارہ اسے ہواؤں کے دوش پر لے کر اڑا اور پیچھے پیچھے بے یقینی نقش قدم گنتی رہی۔

ستارہ اسے اس کے دل کی کیفیت بتاتا رہا۔ وہ حیرت زدہ سا سنتا رہا۔ پرواز کی رفتار بڑھتی چلی گئی۔ زمین نیچے بہت نیچے چھوٹ چکی تھی۔ دور سے ہی ایک محل نظر آیا۔ ان کی پرواز کا رخ محل کی طرف تھا۔ محل کے اردگرد کبوتروں کے اڑنے والے غول کہیں جا کے چھپ گئے تھے، تیز روشنی محل کے حسن میں اضافہ کر رہی تھی، اسے دیکھنے والوں کی بھیڑ تھی، مگر وہ بند تھا۔ لوگ اسے باہر سے ہی دیکھ رہے تھے۔ محل کے صدر دروازے کی طرف آتی ہوئی سیدھی سڑک پر ستارہ اسے لے آیا۔ پرواز کی رفتار کم ہونے لگی۔ کالے گورے لوگوں کا چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ ستارہ اب بھی کچھ کہہ رہا تھا، شاید بے یقینی ختم کرنے کی نصیحت کر رہا تھا اور وہ محل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا ''کاش یہ محل میرا ہوتا، میں اور ستارہ اسی محل میں رہتے۔ محل کا طرز تعمیر مسلمانوں جیسا تھا، مگر وہ مغلوں کی تعمیرات سے کچھ منفرد تھا۔ سہ منزلہ محل، ہر منزل کے بعد والی منزل پہلی منزل سے ذرا چھوٹی اور چوتھی منزل پر انتہائی خوبصورت سفید گنبد اور گنبد کے اوپر سنہرا کلس، حسین سفید گنبد، ہر کنارے سے بڑے بڑے برقی بلب سے نکلنے والی پیلی روشنی پورے محل میں رنگ و نور کی بارش کر رہی تھی۔ بے شمار محرابوں کے دروازے۔ محل کے چہار جانب خالی زمین پر مخمل سے زیادہ سکون بخشنے والی ہری ہری گھاس، اس کا دل مچل اٹھا۔ وہ چاہ رہا تھا کسی طرح محل کا دروازہ کھلے اور وہ ستارہ کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو جائے، محل کے ہر محراب نما دروازے سے داخل ہو اور نکلے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی اور نرم و گداز گھاس پر ٹہلے اور ٹہلتا ہوا ستارہ سے باتیں کرتا رہے۔ پھر محل کے بالکل درمیان میں جا کر سب کے سامنے ستارہ کو گلوگیر کرے اور پیمان وفا باندھے۔ بے یقینی کے خاتمے کا اعلان کرے۔ تمام منزلوں کی سیر کر کے محل کے گنبدوں کو اپنے ہاتھوں سے چھوئے، تیسری منزل پر گنبد کے نیچے، نچلی

دومنزلوں سے اوپر، جہاں سے سیدھی تارکول کی سڑک اور سڑکوں کے اس پار، ریڈ لائٹ سے بھی دور بہت دور، پہاڑ کے اوپر کچھ عمارتیں اور رینگتی ہوئی گاڑیاں، آتے جاتے لوگ، کالے پیلے ٹیمپو اور آٹو نظر آرہے تھے، وہاں جا کر کھڑا ہو جائے۔ ستارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے، دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھائے اور نیچے والے جذبات سے مملو ہو کر تالیاں بجائیں، وہ ہاتھوں کو ہلا کر ان کا جواب دے۔

ستارہ گویا اس کے دل کی تمنا اور مرادوں سے واقف تھا۔ اسے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اس کے آپے سراپے کو بغور دیکھ رہا تھا، جیسے اس کے نوجوان وجود میں ایک دنیا آباد ہے، جس میں دریا کا سا بہاؤ ہے۔ سمندروں کا موج اور تھپیڑا ہے، روایت سے بغاوت کی آگ ہے۔ ستارہ غور کرتا رہا کہ اس کے اندر موجود آگ کے شعلوں کو کس طرح سمیٹے اور محفوظ کر لے تاکہ زندگی کے کسی خنک موڑ پر وہ کام آئیں۔

''یہ تو بند ہے، چلو پیچھے چل کر بیٹھتے ہیں۔'' ستارہ نے اسے محل کی طرف محو دیکھ کر کہا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ محل کے پیچھے ایک پارک تھا۔ پارک میں ایک مجسمہ نصب تھا۔ پارک کی زمین ہموار اور مسطح نہیں تھی، جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دور پر درخت تھے۔ پارک کے باہر سڑک کے پار کسی مہارانی کے نام کے کالج کا بورڈ برقی روشنی میں نظر آرہا تھا۔

''آؤ، یہاں بیٹھتے ہیں۔'' ستارہ نے اس کا ہاتھ نیچے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا اور وہ ستارہ کے ساتھ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ شاید تیسرا کوئی نہیں تھا۔ رہ رہ کر وہ چونک جاتا۔ باتیں کرتے ہوئے کبھی زمین کو غور سے دیکھنے لگتا اور اس کی زبان سے نکل جاتا ''ناگ'' پھر ستارہ ہزار دلیلوں کا سہارا لیتا اور اسے بتاتا ''یہاں سانپ نہ ناگ ہے۔ صرف میں ہوں۔'' ستارہ کی بات کو وہ سننے اور اسے دیکھنے لگتا، گویا ستارے کے وجود پر وہ یقین کی حد تک پہنچ کر بھی بے یقینی کا شکار ہو رہا ہو۔

اسے لگتا وہ جب سے پیدا ہوا ہے، تبھی سے ناگوں اور ناگنوں کے حصار میں ہے۔ وہ اسے ڈسنا چاہتے ہیں، وہ ہر لمحہ خوف سے دوچار ہے۔ ستارہ نے اسے سمجھایا ''دنیا میں صرف ناگ اور ناگن ہی نہیں بستے، کسی پر تو یقین کرنا ہی پڑتا ہے، ورنہ ایک لمحہ زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔''

چاند چلتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا، چاند کی روشنی محل کے دوسرے کنارے کو روشن کر رہی تھی۔ درخت کے سایے میں قدرے اندھیرا تھا، وہ ستارہ کی طرف کھسک گیا، ستارہ اسے دیکھتا اور مسکراتا رہا۔ اسے تسلی دینے کی کوشش کرتا رہا۔ ستارہ کو ہنستا ہوا دیکھ کر اسے لگا موگرا کے پھول اس کے اردگرد کافی تعداد میں کھل گئے ہیں۔ اس نے اپنے پیروں کو پھیلایا اور ستارہ کی طرف اپنے کندھے اور سر کو جھکا دیا۔ ستارہ نے بھی اپنے پیروں کو پھیلا دیا تھا، اس کی طرف اپنے کندھے کو جھکا دیا تھا۔ اس کا سر ستارہ کے کندھے پر آ کر ٹک گیا۔ ستارہ نے اپنے رخسار کو اس کے سر سے مس کیا تو اس نے جوش جذبات میں ستارہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے بدن میں کہیں کوئی سختی نہیں تھی، ہونٹ ہل رہے تھے، زبان چل رہی تھی، ہوا کے جھونکے کے ساتھ موگرا کی خوشبو اب بھی اسے سکون پہنچا رہی تھی۔ ستارہ مسکرا رہا تھا۔

''چپ کیوں ہو جاتے ہو، کہو، کہنے سے دل ہلکا ہوگا۔ ذہن سے غبار چھٹ جائے گا۔'' اور پھر اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہنا شروع کر دیا۔ ''ہر طرف ناگ ہیں، بس ناگ، جو مجھے ڈسنا چاہتے ہیں۔ ان کا پھن میرے جسم تک آتو جاتا ہے، لیکن میں ہوشیار ہو جاتا ہوں۔ جہاں کہیں جاتا ہوں کالج، آفس دکان، یہاں تک کہ بڑے دفاتر میں بھی مجھے ناگ نظر آتے ہیں، جو مجھے ڈسنا چاہتے ہیں۔ مجھ میں کیا ہے ایسا جو مجھے وہ مار دینا چاہتے ہیں۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں، کچھ کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ میرے وجود میں اپنا زہر بھر کر مجھے زہریلا بنانا چاہتے ہیں۔'' کہتے کہتے اس کا جسم ٹھنڈا ہونے لگا۔ پسینہ آنے لگا۔ اس نے ستارہ کو دبانے کی کوشش کی۔

جب وہ بولتے بولتے چپ ہو جاتا تو ستارہ باتوں کو مربوط کر دیتا۔ اس کا سر ستارے کے کندھے سے نیچے کی طرف لٹک کر ستارہ کے سینے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے باوجود اس کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں تھی۔ ستارہ نے اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور پھر وہی ہاتھ آگے بڑھا اور اس کے رخسار کو مس کرتے ہوئے اس کے چہرے کو دوبارہ ستارے کے کندھے تک پہنچا دیا۔ اس نے اپنے سر کو ذرا دیر کے لیے اٹھایا، پھر ستارہ کے رخسار سے اس کا رخسار چھو گیا۔ ستارے نے بڑی آہستگی کے ساتھ کہا ''مجھ تک پہنچنے کا راستہ ان ناگوں سے ہو کر گزرتا ہے۔''

اسے دھوپ کی شدت محسوس ہوئی۔ وہ جاگ گیا۔ دن کافی نکل چکا تھا۔ گھر کے سارے لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ چکے تھے۔ ستارہ کہیں نہیں تھا۔ اس کے اردگرد ناگوں کا بسیرا تھا۔

○○

○○